Negotiations 4:1 (Jan.-Jun. 2024) pp. 01-23 **ISSN: 2789-293X**

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم بہ حیثیت بچوں کے شاعر: اجمالی جائزہ

Sufi Ghulam Mustafa Tabasum as Children's Poet: An Overview

Mohsin Khalid Mohsin
Lecturer, Department of Urdu, Govt. Shah Hussain Associate College, Lahore.
mohsinkhalid53@gmail.com
Dr. Munawar Hashmi
Rector,Northren University,Nowshahra,KPK
munwarhashmi001@gmail.com

KEYWORDS

Sufi Tabasum
Children's literature
Tut Batut
Allama Iqbal
Quaid-i-Azam
Patriot
Eastern society
Dorey Moon
Cartoon

DATES

Received	**18-02-2024**
Accepted	**12-04-2024**
Published	**30-06-2024**

QR CODE

ABSTRACT

Children's literature has a permanent chapter in Urdu literature. Poets and writers have shown essence in prose and poetry about the activities, movements, and conditions related to children's education, training, and childhood activities and games. The name of Sufi Ghulam Mustafa Tabasum is prominent among these poets. Poems written by Sufi Tabasum for children are a treasure in children's literature. This paper contains a brief overview of Sufi Ghulam Mustafa Tabasum's poems written for children. In this paper, an attempt has been made to look at all the children's poems of Sufi Tabasum from a new angle, especially the social and cultural analysis of the poems written for children, which is also an important part of this paper. This paper provides a trending impression of shedding light on the role of poetry in Sufi mysticism and children's literature.

DOI:
http://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/88

تلخیص:

اردو ادب میں بچوں کے ادب کا ایک مستقل باب موجود ہے۔ بچوں کی تعلیم، تربیت اور ان کے بچپن کے اشغال اور کھیل کود سے متصل جملہ حرکات و سکنات اور احوال کے بارے میں شعرا اور ادبا نے نثر و

نظم میں جوہر دکھائے ہیں۔ صوفی غلام مصطفی تبسم کا نام ان شعرا میں سر فہرست ہے۔ صوفی تبسم کی بچوں کے لیے لکھی گئی منظومات اطفالِ ادب میں ایک گنجینہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ مقالہ صوفی غلام مصطفی تبسم کی بچوں کے لیے لکھی گئی نظمیات کے اجمالی جائزہ پر مشتمل ہے۔ اس مقالہ میں صوفی تبسم کی جملہ منظوماتِ اطفال کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے خاص طور بچوں کے لیے لکھی گئی نظمیات کا سماجی اور تہذیبی تجزیہ کرنے کی کوشش بھی اس مقالے کا اہم حصہ ہے۔ یہ مقالہ صوفی تبسم شناسی اور اطفالِ ادب میں نظم نگاری کے حصے اور کردار پر روشنی ڈالنے کا ایک رجحان ساز تاثر فراہم کرتا ہے۔

بچے رب تعالیٰ کی خاص عطا ہے، ان کے دم سے دُنیا کی رونق ہے اور دُنیا کی رونق ہی انسان کا دل بہلائے رکھتی ہے۔ انسان جتنا بھی پریشان ہو، حالات کی سنگینی کا شکار ہو، اپنوں اور اغیار کی بے مروتیوں اور طوطا چشمیوں سے عاجز آیا ہو، اپنے بچوں کو گود میں بھرتا ہے تو سارے غم بھول جاتا ہے اور ان کی ہنسی میں جسم و روح کا درد موم بن جاتا ہے اور تکلیف کی شدت جزوقتی راحت میں بدل جاتی ہے۔ بچوں کی معصوم ادائیں، ناز اور اِٹھلاہٹیں پیدا کرنے والی تخلیقی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ رب تعالیٰ نے بچوں کے توسط سے بخشش اور نجات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

دُنیا کے جملہ مذاہب میں بچوں کی معصومیت کا ذکر ملتا ہے۔ اسلام میں بچوں کے بارے میں مستقل باب باندھے گئے ہیں اور ان کے حقوق سمیت ان کی بنیادی ضرورتوں کے خیال پر توجہ دلائی گئی ہے۔ انسان کا بچہ واحد بچہ ہے جسے پانچ سال تک ایک گود کی اور محافظ کی چوبیس گھنٹے ضرورت رہتی ہے۔

انسان کا بچہ پیدا ہونے سے لے کر پانچ برس تک خود سے کھانا پینا اور دیگر روزمرہ کی نگہداشت کا محتاج ہوتا ہے، شِیر خوار بچہ خود کھا سکتا ہے، خود سے چل سکتا ہے اور نہ اپنی جان بچا سکتا ہے۔ جانوروں کے بچوں میں رب تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ ایک دن میں اور دو چار دن میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور چلنے پھرنے دوڑنے لگتے ہیں جبکہ انسان کا بچہ اس پوزیشن میں آنے کے لیے پانچ سال لے لیتا ہے، اس کے باوجود اسے ممتا کی گود اور باپ کے شفیق سائے کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

بچوں سے وابستہ ادب دُنیا بھر کی زبانوں میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک مشکل موضوع ہے، بظاہر یوں لگتا ہے کہ بچوں پر لکھنا سب سے آسان ہے مگر جب قلم ہاتھ میں آتا ہے تو ذہن سُن ہو جاتا ہے اور تخلیق کار سوچتا رہ جاتا ہے کہ کہاں سے شروع کروں اور کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں اور کیسے لکھوں۔ بچوں پر لکھنا اور بچوں کے لیے لکھنا گویا جوئے شِیر لانے کے مترادف ہے۔

اُردو زبان میں معدودے چند مشاق شعرا نے یہ مشکل کام انجام دیا ہے جن میں سرفہرست اسماعیل میرٹھی ہیں، اس کے بعد ایک طویل فہرست ہے جس میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کا نام آتے ہی ذہن میں ٹوٹ بٹوٹ کا کردار اُبھرتا ہے اور انسان بے اختیار مسکراتے ہوئے اپنے بچپن میں ڈُبکی لگاتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے کہ کیا دن تھے کہ ہم بھی جن تھے اور اب ہم بڑے ہو گئے

ہیں اور ساری شیطانی نکل گئی ہے اور مانگ کر ضد کر کے کھانا اور پسند نہ آنے پر کھلونوں کو توڑنا اور اشیائے خورونوش کو یہاں وہاں پھینک دینا اور غصہ آنے پر زمین پر لیٹ جانا اور کپڑوں کا ستیاناس کر دینا، یہ سب کچھ ہمیں ماضی میں لے جاتا ہے اور پانچ سات سال کے بچے کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرتا ہے جس کی شرارت سے مامور حرکات ہمیں مسکرانے اور جی ہی جی میں بچپن کی یادوں، باتوں اور حسین لمحات کو مِس کرنے پر اکساتی ہیں۔

انسان جیسے جیسے عمر کے سنجیدہ حصے میں جاتا ہے اس کی عادات و حرکات میں معصومیت کی جگہ غضبناکی در آتی ہے اور جلاد بن جاتا ہے اور دُنیا کو فتح کرنے کرنے کے لیے ہر چیز کو پاؤں تلے مِسل دینا چاہتا ہے۔ شکست و فتح اور حاصل و لا حاصل کا یہ کھیل انسان کو و معمری کے قصرِ سراب میں دھکیل دیتا ہے جہاں اس کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔

بچپن کا دور ہر انسان کا حسین ترین عرصہ حیات ہوتا ہے اور اس کی چمک دمک اور حساسیت ہمیشہ لاشعور میں موجود رہتی ہے۔ حالتِ استراحت اور خواب میں اکثر و بیشتر انسان اپنے بچپن کی یادوں میں کھویا رہتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کیسے اس کے دن گزرتے اور کس طرح معمولی چیزوں کے حصول کے لیے جھوٹ بولا جاتا تھا اور مصنوعی غصہ ہو کر ماں باپ اور بہن بھائیوں سے ضد کرکے چیزیں لی جاتی تھیں اور دُدھیال ننھیال میں شوق سے جانا اور گرمیوں کی چھٹیوں کا مزے سے دیہات اور شہر میں گزارنا اور سکول کا وہ زمانہ جہاں کنجوس استاذہ اور مارپیٹ کرنی والی بی بی جی کے ساتھ گزرا وقت رہ رہ کر انسان کو یاد آتا ہے۔

شِیر خواری سے بچپن اور بچپن سے جوانی تک کا عرصہ یوں صرصر کرتا گزر جاتا ہے، زندگی اتنی تیز رفتار آگے کیوں بڑھتی جارہی ہے اور بہت کچھ نا چاہتے ہوئے بھی چھوٹتا جارہا ہے۔ صوفی غلام مصطفی تبسم کے ہاں بچپن کی انھیں یادوں، باتوں، واقعات اور دل کو مُوہ لینے والے سدا بہار گیتوں اور نظموں کا عکس ملتا ہے جس سے انسان سرشار ہو جاتا ہے اور بچپن کے دور میں غوطہ لگا کر اپنے آپ کو بچے کی صورت دیکھتا ہے۔

صوفی تبسم جی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بچوں کے لیے جو نظمیں اور گیت لکھے ہیں وہ سدا بہار ہیں اور ہر ملک، مذہب، مسلک، رنگ، نسل اور زبان کے وسیب میں سانس لینے والے بچوں کی مشترکہ عادات و خصائل اور جملہ شخصیت کا احاطہ کرتے ہیں۔

صوفی تبسم اُردو زبان و ادب کے بے مثل استاد اور صاحبِ طرز انشا پرداز تھے، انھوں نے اردو، پنجابی، عربی، فارسی، ہندی اور مقامی پاکستانی زبانوں میں استادانہ دستگاہ حاصل کی تھی۔ ان کا تنقید و تحقیق اور تالیف و تدوین میں کام دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ٹوٹ بٹوٹ کا کردار تراشنے والا کیسا کیسا شاہکار ادب میں چھوڑ کر گیا ہے۔

صوفی غلام مصطفی تبسم نے بچوں کی نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے گیت لکھے اور ان کی مشرقی مزاج و اطوار کے پیش نظر تربیت کے لیے نظمیں لکھیں اور نت نئے کردار تراشے۔ صوفی صاحب کے لکھے ہوئے گیت اور نظمیں پچاس برس گزر جانے کے بعد اُسی طرح تر و تازہ اور شاداب ہیں جس طرح یہ قلم کی قید سے صفحہ قرطاس پر اُتارتے وقت شاداں و فرحاں تھیں۔

صوفی صاحب نے بچوں کے لیے جھولنے، ٹوٹ بٹوٹ، دوسری نظمیں، ٹول مٹول، شعری مجموعے یادگار چھوڑے جن کی ادب اطفال میں اہمیت بحرحال ہر طرح سے موجود و مستحکم ہے۔ جھولنے میں صوفی صاحب نے چھبیس نظمیں اور چار پہلیاں شامل کی ہیں۔ مشہور نظموں میں ٹوٹ بٹوٹ، گپ شپ، مُقا اور لڈو، خوانچے والا، پتے کی بات، راجارانی، ٹرٹر، کالا ریچھ شامل ہیں۔

جھولنے کا سرورق پطر بخاری نے لکھا تھا۔ پطرس بخاری بھی اپنے اُسلوب کے بادشاہ ہیں۔ ان کے مضامین کی شہرت پوری دُنیا میں جہاں جہاں اردو سمجھی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے ہمیشہ رہے گی۔ پطرس بخاری جھولنے کے سرِورق میں لکھتے ہیں:

> ”ایسی ہلکی پھلکی کتاب پر جو چھوٹے بچوں کے لیے بھی لکھی گئی ہے، دیباچے کا بوجھ نہ پڑنا چاہیے لیکن بچوں کے ساتھ قدرت نے والدین کی اور انسان نے اُستاد کی پخ بھی لگا رکھی ہے۔ صوفی تبسم کو جو مصنفِ کتاب ہونے کے علاوہ والدین بھی ہیں اور اُستاد بھی، یہ گوارا نہ ہوا کہ بچوں کو تو بہلایا جائے اور والدین اور اُستادوں کی پروانہ کی جائے اس لیے قرار پایا کہ بچوں کو نظمیں سنائیں اور میں والدین وغیرہ کو باتوں میں لگائے رکھوں۔“ (1)

پطرس بخاری نے سرورق دیباچے میں جھولنے کو ادب اطفال کا چہرہ قرار دیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ صوفی تبسم جی نے بچوں کی دُنیا کے سبھی مناظر کو ایک جگہ مجتمع کر دیا ہے اور کمال فنکارانہ اُسلوب اور عام فہم انداز میں بچوں کے لیے نظمیں لکھی ہیں جس میں چھم چھم، ٹم ٹم کا آہنگ کرامت کی صورت جلوہ گری دکھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ پطرس بخاری لکھتے ہیں:

> ”خدا کا شکر ہے، صوفی تبسم کو ایک ایسی دانائی عطا ہوئی ہے کہ وہ نادانی کی لذت سے ابھی محروم نہیں ہوئے۔ وہ جانتے ہیں کہ بچوں کا ذہن وہ عجیب و غریب دینا ہے جس میں پیڑوں پر ناگ ناچتے ہیں اور بلیّاں بیر کھاتی ہیں اور ٹرٹر موٹر، چھم چھم ٹم ٹم میں آہنگ اور لَے کی وہ تمام لذتیں سما جاتی ہیں جو بڑے ہو کر تان سین کی کرامات سے بھی حاصل نہیں ہوتیں۔“ (2)

جھولنے کا منظرِ عام پر آنا دراصل ایک بھونچال سے کم نہ تھا۔ یہ کتاب بظاہر بچوں کے دل بہلانے کے لیے صوفی تبسم نے لکھی ہے لیکن اس کی اطفالِ ادب میں اہمیت سنگ میل کی ہے۔ اس شعری مجموعے نے گویا بچوں کے لیے ایک مستقل موضوع کو متعین کر دیا۔ جو سلسلہ اسماعیل میرٹھی سے شروع ہوا تھا وہ صوفی تبسم جی تک آتے آتے عروج کا نشانِ امتیاز بن چکا تھا۔ ماجد صدیقی جھولنے کے پیشِ لفظ میں لکھتے ہیں:

> ”صوفی صاحب کی شاعری اندرونِ ملک ہی نہیں بیرونِ ملک بھی مقبولِ عام ہے، اُن کے مجموعہ ہائے شاعری جھولنے، ٹوٹ بٹوٹ اور ٹال مٹول، سال بہ سال لاکھوں کی تعداد میں چھپتے ہیں، صوفی صاحب کے حصے جو عزت اُن کی زندگی میں آئی وہ تو اپنی جگہ مگر میرا مشاہدہ ہے کہ اُن کی اولاد بھی جہاں کہیں ہو گی اُن کا حوالہ بھی صوفی تبسم کی یہی نظمیں اور گیت ہوں گے۔“ (3)

صوفی تبسم نے جھولنے کا آغاز نظم گنتی سے کیا ہے۔ نظم گنتی ملاحظہ کیجیے۔ نظم اتنی عام فہم اور پُر کشش ہے کہ اس کی معنویت خود بہ خود متشکل ہو جاتی ہے اور کچھ سمجھنے جاننے سے پہلے ہر چیز سمجھ کے نہاں خانوں میں سما جاتی ہے:

ایک دو تین چار   آؤ مل کر بیٹھیں یار
پانچ چھے سات   سُنو ہماری بات
آٹھ نو دس   بات ہماری بس (4)

یہ ایک سے دس تک گنتی ہے، یہ گنتی جب بچہ بولنا شروع کرتا ہے تو ماں اُسے سکھاتی ہے۔ صوفی تبسم نے انتہائی آسان الفاظ اور زبان میں ایک سے دس تک بچوں کو گنتی سکھانے کا ایسا فارمولا دیا ہے کہ منٹوں میں گنتی یاد ہو جاتی ہے اور کبھی بھولتی بھی نہیں۔ دوسری نظم بلی ہے، نظم ملاحظہ کیجیے:

دُنیا کے رنگ نرالے   بلی نے چوہے پالے
چوہوں نے دھوم مچائی   بلی کی شامت آئی (5)

یہ چار مصرعی نظم بھی کیا کمال کی نظم ہے۔ اگر اسے علامتی رنگ دیا جائے تو خانگی ماحول کی صورتحال اور جبر و قدر کا نظریہ سمجھ میں آتا ہے۔ گویا اس نظم کو بچوں کے دل بہلانے کا سامان بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور اس سے کئی اور مطالب بھی نکالے جاسکتے ہیں۔ صوفی تبسم نے سیکڑوں کی تعداد میں ایسی چار، پانچ اور چھے مصرعوں کی نظمیں کہیں ہیں جن کی اہمیت ہر حوالے سے لائقِ تحسین ہے۔ نظم مُنے رولے میں شامل منے کی معصومیت اور صوفی تبسم جی کی منے کو بہلانے کی ادا کا اندازِ محبت دیکھیے:

ہولے ہولے ہولے   رولے منے رولے
جیسے چڑیا گانا گائے   جیسے مینا راگ سنائے
جیسے بلبل بولے   رولے منے رولے
ابا کو آواز نہ آئے   امی بھی سننے نہ پائے
گڑیا آنکھ نہ کھولے   ہولے ہولے ہولے
جتنا چاہے رولے (6)

صوفی تبسم جی نظم راجا رانی بہت مشہور ہوئی۔ بچپن میں تو نہیں یاد کہ یہ نظم پڑھی ہو گی تاہم لڑکپن میں اس نظم کو نصاب میں ضرور پڑھا تھا اور یاد بھی کیا تھا اور سکول کے سالانہ تقسیم انعامات میں اس پر ایک سین بھی کیا تھا۔ کیا مزے کے دن تھے اور مزے کی نظمیں تھیں۔ نظم راجا رانی ملاحظہ کیجیے:

آؤ بچو سُنو کہانی
ایک تھا راجا   ایک تھی رانی
رجا بیٹھا بین بجائے   رانی بیٹھی گانا گائے

طوطا بیٹھا چونچ ہلائے   نوکر لے کر حلوہ آیا
طوطے کا بھی جی للچایا   راجا گانا جاتے جائے
نوکر شور مچاتا جائے   طوطا حلوہ کھاتا جائے(7)

صوفی تبسم کی نظم مُنا اور لڈو مزے کی نظم ہے۔ اس چھوٹی سی نظم میں لڈو کا ذکر اس قدر دلنشیں انداز میں کیا گیا ہے کہ منہ میں مارے ذوق کے پانی بھر آتا ہے اور جی للچانے لگتا ہے، نظم ملاحظہ کیجیے:

آہا آہا
ہو ہو ہو
منا ایک
اور لڈو دو
ایک لڈو منے نے کھایا
دوسرا منا دوڑا آیا
آہا آہا
ہو ہو ہو
لڈو ایک
اور منے دو(8)

صوفی تبسم جی کا یہ کمال ہے کہ جب یہ نظمیں کہی ہوں گی، تب یہ ساٹھ برس کے ہوں گے۔ عمر کے اس حصے میں تین چار سال کے بچے کے لیے لکھنا اور بالکل بچہ بن کر بچوں کی سطح پر آ کر لکھنا آسان کام نہیں ہے۔ اس صلاحیت اور فنکاری پر صوفی تبسم کی قدر شناسی بالکل جائز اور مبنی بر حقیقت ہے۔ نظم بندر اور بندریا ملاحظہ کیجیے:

بندریا نے گھگھرا پہنا
بندر نے شلوار
بن ٹھن کر جب گھر سے نکلے
ہو گئی تکرار
بندریا نے چھڑی اُٹھائی
بندر نے تلوار
لڑتے لڑتے ہو گئے گھائل
کوئی نہ مانا ہار(9)

یہ نظم اپنے اندر کئی معنی رکھتی ہے، بندریا سے مراد بیوی اور بندر سے مراد خاوند لیا جائے تو بات کہاں جا پہنچتی ہے۔ صوفی تبسم جی کی نظمیں پڑھتے ہوئے یوں گمان گزرتا ہے جیسے انھوں نے خانگی معاملات کو علامتی انداز میں ان نظموں میں سمویا ہے۔ ان کے شاعرانہ اُسلوب اور الفاظ کے برمحل استعمال سے مصرعوں میں معانی کے اعتبار سے وسعت بے کراں در آتی ہے کہ پڑھنے والا نظم کے سیاق اور مجمل مناظر سے کئی معانی اور زاویے تراش سکتا ہے۔ ماجد صدیقی لکھتے ہیں:

> "جھنجھنے کی آواز سے لے کر لوری تک کی تخلیق اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس بچے کو جو ذہن کی سلامتی سے بہرہ مند ہے اور توازن اور موسیقی سے لگاؤ رکھتا ہے، پنگھوڑے میں پہنچتے ہی صوفی تبسم کے گیت سنائے جاتے ہیں تو اس کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ صوفی تبسم ہمارے قومی اُفق کے ایک جگمگاتے ستارے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ایک عہد کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو تعظیم و توصیف انھیں زندگی میں حاصل رہی شاید ہی کسی اور کے حصے میں آئی ہو۔" (10)

صوفی تبسم کی مشہورِ زمانہ نظم ٹوٹ بٹوٹ ملاحظہ کیجیے، یہ نظم اس قدر مشہور و معروف اور زبان زدِ خاص و عام ہے کہ اس کی مزید تفہیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نظم پڑھتے جایئے اور لوٹ پوٹ ہوتے جایئے۔ یہ نظم بچوں، جوانوں، بوڑھوں میں یکساں مقبول ہے۔

ایک تھا لڑکا ٹوٹ بٹوٹ   باپ تھا اُس کا میر سلوٹ
پیتا تھا وہ سوڈا واٹر   کھاتا تھا بادام اخروٹ
ایک تھا لڑکا ٹوٹ بٹوٹ
گُھمن لٹو نام تھا اُس کا   گھومتے رہنا کام تھا اُس کا
صبح کو ہوتا کلکتے میں   شام ہو ہوتا چڑیا کوٹ
ایک تھا لڑکا ٹوٹ بٹوٹ
آنکھیں اُس کی موٹی موٹی   ٹانگیں اُس کی چھوٹی چھوٹی
نیچے پہنے صرف لنگوٹی   اوپر پہنے اوور کوٹ
ایک تھا لڑکا ٹوٹ بٹوٹ
بھائی اُسے اُٹھانے آیا   ابا گلے لگانے آیا
امی اُس کی روتی آئی   ہائے میرا ٹوٹ بٹوٹ
ہائے میرا ٹوٹ بٹوٹ   ایک تھا لڑکا ٹوٹ بٹوٹ (11)

نظم پڑھتے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ رقصاں رہتی ہے اور جی میں ایک پُر اطمینان خوشی کی لے چٹکیاں کاٹتی ہے، اس نظم کو دل سے پڑھنے کی ضرورت ہے زبان سے نہیں، یہ نظم صوفی تبسم کے نام کا جزو بن گئی ہے۔

صوفی تبسم جی نے نظموں اور گیتوں کے علاوہ پہلیاں بھی لکھی ہیں۔ پہیلی ہماری مشرقی سماج کا ایک خاص روایتی اور رسمی کھیل رہا ہے۔ اب وہ زمانہ ختم ہو چکا، مجھے اپنے بچپن میں یاد ہے، اساتذہ اور گلی محلے کے بوڑھے پہلیاں بھوجوایا کرتے تھے اور جسے پہلی بوجھ لینے کا فن آتا تھا وہ ذہین ترین بچہ تصور کیا جاتا تھا۔

یہ پہلیاں پنجاب کی رہتل بہتل میں آج بھی کسی نہ کسی صورت موجود اور باقی ہیں تاہم اب ان میں دلچسپی نہیں لی جاتی۔ ڈورے مون کارٹون کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بھی صوفی تبسم کے ٹوٹ بٹوٹ کا چربہ ہی ہے اور پہلیوں کو بھی گوگل ایپ پر موجود ایپ میں اینی میشن میں دیکھا جا سکتا ہے، جھولنے مجموعے کی اولین پہلی ملاحظہ کیجیے:

دیکھا ہم نے ایک پرندہ   کچھ پیلا کچھ سبز اور لال
پیٹ میں اُس کے ایک ہی ہڈی   کھال کے نیچے اس کے بال
خون ہے اُس کا میٹھا میٹھا   کڑوی کڑوی اُس کی کھال(12)

یہ گرمی کا بے تاج بادشاہ پھل آم ہے۔ آم کی اہمیت اردو ادب میں مرزا غالب، علامہ اقبال اور سرسید احمد خاں کے حوالے سے موجود ہے، اس کے علاوہ درجنوں ادبا اور شعرا کے ہاں آم کا ذکر ملتا ہے۔ صوفی تبسم نے آم کی خاصیت، کیفیت، ماہیت اور لذتیت کو پہیلی کے روپ میں کس خوبصورتی سے مقیش کیا ہے کہ داد دیئے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ جھولنے مجموعے کی آخری پہیلی ملاحظہ کیجیے جس میں قوسِ قُزح کے رنگوں اور آسمان پر اس کے حُسن کی جلوہ گری کا خوبصورت نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

اک پری ہے رنگ رنگیلی سی   کچھ سبز سی ہے کچھ نیلی سی
کچھ لال سی ہے کچھ پیلی سی   بارش میں نہا کر آتی ہے
آتی ہے رنگ جماتی ہے   پھر پل بھر میں چھپ جاتی ہے
بوجھو تو اُس کا نام ہے کیا؟(13)

صوفی تبسم کی دوسرا شعری مجموعہ ٹوٹ بٹوٹ ہے، یہ ان کا ذاتی انتخاب نہیں ہے بلکہ اس میں دوستوں کی طرف سے مسلسل فرمائش پر کچھ مزید نظمیں، گیت اور پہلیاں وغیرہ شامل کر کے اسے شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں جھولنے میں شامل مشہور نظم ٹوٹ بٹوٹ پر اس کا عنوان رکھا گیا ہے۔ صوفی تبسم نے دیباچے میں اس نظم کی شہرت کے حوالے سے ایک قصہ بھی لکھا ہے جس میں سرِ راہ چلتے ایک بچے نے انھیں دیکھ کر ٹوٹ بٹوٹ کے نام سے پکارا اور یہ حیران رہ گئے۔ اس مجموعے کی اشاعت کے حوالے سے صوفی تبسم لکھتے ہیں:

> ”بچوں کی نظموں کے پہلے مجموعے جھولنے میں شایع ہوئی تھی۔ اس کے بعد ان نظموں کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں سے بعض نظمیں رسالوں میں چھپ گئیں اور بچوں کی زبان پر آ گئیں اور ان کا بہت چرچا ہوا۔ بچے بڑی بے تابی سے نظموں کے چھپنے کا انتظار کرنے لگے۔ یہ بے تابی صرف بچوں تک محدود نہ

> تھی، والدین بھی ان نظموں کی طباعت کی تلاش میں رہتے۔ مجبوراً مجھے ان نظموں کا انتخاب کرنا پڑا۔"
>
> (14)

صوفی تبسم جی نے اس مجموعے میں پہلے کی نسبت زیادہ طویل نظمیں لکھیں ہیں اور ان کا اندازِ تخاطب بھی وسیع معنویت لیے ہوئے ہے۔ یہ نظمیں ایک ہی عنوان یعنی ٹوٹ بٹوٹ کے حوالے سے کہی گئی ہیں۔ یہ اٹھائیس نظمیں ہیں جنھیں ٹوٹ بٹوٹ کی شرارتوں اور حرکات وسکنات کا مجموعہ بنایا گیا ہے۔

اس مجموعے میں ٹوٹ بٹوٹ مرکزی کردار ہے اور وہ اپنی معصوم اداؤں اور خرمستیوں سے بچوں کا دل لُبھاتا ہے اور نت نئی شرارتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پہلی نظم ٹوٹ بٹوٹ کے مرغے ہے جو طویل نظم ہے اور ٹوٹ بٹوٹ کی مرغے کی شرارتی اور نکھریلی داستان ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

ٹوٹ بٹوٹ کے دو مرغے تھے　　دونوں تھے ہشیار
اک مرغے کا نام تھا گیٹو　　اک کا نام گٹار
اک مرغے کی دُم تھی کالی　　اک مرغی کی لال
اک مرغے کی چونچ نرالی　　اک مرغے کی چال
اک پہنے پتلون اور نیکر　　اک پہنے شلوار
اک پہنے انگریزی ٹوپی　　اک پہنے دستار
اک کھاتا تھا کیک اور بسکٹ　　اک کھاتا تھا نان
اک بولا میں لکڑ بھگیلا　　اک بولا میں شیر
دونوں میں پھر ہوئی لڑائی　　ٹھی ٹھی ٹھوں ٹھوں ٹھاہ
دونوں نے کی ہاتھا پائی　　ہی ہی ہو ہو ہاہ
اک مرغے نے سیخ اُٹھائی　　اک مرغے نے ڈانگ
اک کے دونوں پنجے ٹوٹے　　اک کی ٹوٹی ٹانگ
تھانے دار نے ہنٹر مارا　　چیخے چُوں چُوں چُوں
ٹوٹ بٹوٹ نے گلے لگایا　　بولے کُکڑوں کُوں (15)

یہ نظم اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سرِ راہ چلتے ہوئے جب صوفی تبسم جی کو بچے نے ٹوٹ بٹوٹ کے نام سے پکارا تھا اور انھوں نے کمال شفقت سے خود کو ٹوٹ بٹوٹ ہی ظاہر کر کے اُس بچے سے ملاقات کی تھی اور احوال کا تبادلہ کیا تھا، تب سے تبسم جی نے اپنے تراشے ہوئے ٹوٹ بٹوٹ میں خود کو ڈھال لیا تھا۔

صوفی تبسم جی کی اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے کردار میں خود کو بعینہٖ ڈھال لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ ایک عظیم فنکار کا کام ہے جو خود کو اپنے تراشے ہوئے کرداروں، سہاروں، اشاروں، علامتوں اور تمثیلوں میں ڈھال لیتا ہے، گویا اِس کی ذات اور

شخصیت کا اجمالی احوال اور جداگانہ تشخص اس کے کردار ہوتے ہیں جنھیں یہ تحریر میں ڈھالتا ہے اور پردے پر اداکاری کی صورت پیش کرتا ہے۔

ٹوٹ بٹوٹ کی سبھی نظمیں ایک جیسی کیفیات کو متفرق صورتحال میں پیش کرتی دکھائی دیتی ہی۔ ان نظموں میں ٹوٹ بٹوٹ کے کئی رنگ، چہرے، اطوار اور انداز دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ٹوٹ بٹوٹ ایک ایسا شاہکار کردار ہے جسے لازوال شہرت نصیب ہوئی ، اردو ادب میں ادبا اور شعرا کے ہاں فرضی کرداروں کو شہرت دلانے میں معدودے چند انشا پردازوں کا ہاتھ رہا ہے جن میں مشتاق احمد یوسفی، ابن انشا، مرزا فرحت اللہ بیگ، مقصود احمد اور صوفی تبسم کے نام بطور مثال اور نمونہ پیش کیے جاسکتے ہیں۔

ٹوٹ بٹوٹ مجموعے میں ایک اور نظم ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی بہت مشہور ہوئی۔ یہ نظم مجھے اچھی طرح یاد ہے، پانچویں جماعت پاس کرنے کے بعد کہیں سے سنی تھی، اس کو دوستوں میں بیٹھ کر گایا کرتے تھے، گھر میں جب کھیر بنتی تھی تو یہ نظم بارہا دُہرائی جاتی تھی۔ دیہات میں اور شہر میں اور قصبہ جات میں یہ نظمیں کسی نہ کسی حوالے سے ذکر میں رہتی تھیں۔ صوفی تبسم جی نے ان نظموں کو اپنے اندر کے بچے کے لیے دل سے لکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہ نظمیں سیدھی دل میں اُتر جاتی ہیں۔

خالہ اُس کی لکڑی لائی پھوپھی لائی دیا سلائی
امی جان نے آگ جلائی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
دیگچی چمچہ نوکر لائے بھائی چاول چکر لائے
بہنیں لائیں دودھ ملائی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
ابا نے دی ایک اکنی خالو نے دی ڈیڑھ دوآنی
ٹوٹ بٹوٹ نے آدھی پائی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
جونہی دستر خوان لگایا گاؤں کا گاؤں دوڑآیا
ساری خلقت دوڑی آئی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
مینڈک بھی ٹراتے آئے چوہے شور مچاتے آئے
بلی گانا گاتی آئی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
کوے آئے کَیں کَیں کرتے طوطے آئے ٹیں ٹیں کرتے
بلبل چونچ ہلاتی آئی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
دھوبی کُنجڑا نائی آیا پنساری حلوائی آیا
سب نے آکر دُھوم مچائی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی
گاؤں بھر میں ہوئی لڑائیٔ کھیر کسی کے بھی ہاتھ نہ آئی
میرے اللہ تری دُہائی ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی(16)

یہ نظم پاکستانی سماج کی معاشرت کی آئینہ دار ہے، یہ نظم پاکستانی سماج کی مشرقی اقدار کی شریعت ہے، یہ نظم اس قدر گہری معنویت لیے ہوئے کہ اس کو آسکر ایوارڈ بھی دیا جائے تو اس کی اہمیت اس ایوارڈ سے بھی زیادہ ہو گی۔ اب وہ زمانہ ختم ہو چکا، وہ زمانہ جو ختم ہو چکا ہے، اُس زمانے اور دور کو ہم نے خود مغربی تقلید میں اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا ہے اور اُس کا گلہ گھونٹا ہے۔

ایک دور تھا جب شہر اور دیہات میں زندگی کے جملہ اطوار و انداز میں کوئی فرق نہ تھا، سب ایک جگہ رہتے تھے اور سبھی رشتوں کو بچے پریکٹس کرتے تھے، ایک ہی گھر میں خالہ، پھوپھو، دادا، نانا، بھائی، بہن، چچا، تایا، نوکر چاکر رہتے تھے اور سب ایک جگہ مل کر کھاتے تھے اور زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مکان میں درجن بھر بچے پیدا ہو کر جوان ہو جاتے تھے اور کسی کو پرائیویسی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور نہ کوئی تنہائی کا شکار تھا اور نہ کسی کو ڈپریشن تھا اور نہ ٹیکہ دوائی کی حاجت تھی۔

ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی نظم بچوں کے لیے لکھی گئی ہو گی لیکن مجھے یہ پاکستانی سماج کی معاشرت کا سماجی بیانیہ دکھائی دیتی ہے۔ یہ نظم سے زیادہ مشرقی سماج کا منشور ہے جو صوفی تبسم نے دیا ہے۔ گیارویں والے پیر کی نسبت سے دیہاتوں اور قصبات میں آج بھی کھیر تقسیم ہوتی ہے اور نیازیں دی جاتی ہیں اور خیرات بھی لوگ اہتمام سے کرتے ہیں۔

بچپن میں ہم بچے مل کر کھیر پکاتے تھے اور بالکل اسی طرح جیسے نظم میں مذکور ہے پورا ماحول بن جاتا تھا اور پکانے والوں کو کھیر نصیب نہیں ہوتی تھی۔ کھیر پکانے کا عمل دراصل وحدت اور اجتماعیت کا عمل ہے جو بد قسمتی سے اب روبہ زوال ہے۔ اس نظم میں جتنے کردار گنوائے گئے ہیں وہ سبھی زندہ، متحرک اور جاندار کردار تھے جو ایک ہی چار دیواری میں موجود تھے، رفتہ رفتہ زمانے کی ہوا بدلی، مزاج بدلا اور تیور کے تیکھے انداز نے ایسی سرد مہری کو جنم دیا کہ بقول مشتاق احمد:

اک زمانہ تھا کہ سب اک جگہ رہتے تھے   اور اب کوئی کہیں کوئی کہیں رہتا ہے

صوفی تبسم نے ٹوٹ بٹوٹ کردار کے روپ میں دراصل ہماری سماجیاتی اہمیت اور روبہ زوال معاشرت کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے، جس وقت یہ نظمیں تخلیق ہو رہی تھیں، اس وقت کا ماحول کچھ اور تھا اور آج کچھ اور ہے۔ حالات اتنی تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں کہ اُسی دور کی معاشرت میں جوان ہو کر معمر ہونے والے افراد آج کے دور کو اپنے لیے ناسور اور عذاب سے کم نہیں سمجھتے۔ صوفی تبسم نے بظاہر یہ نظمیں بچوں کے لیے لکھی ہیں لیکن ان نظموں کے پس پردہ انھوں نے پاکستانی معاشرت کا پوسٹمارٹم کیا ہے اور اس معاملے میں ان کی چالاکی اور ہوشیاری لایقِ تحسین ہے۔

اس مجموعی کی سبھی نظموں کے عنوان پر غور کیجیے، ٹوٹ بٹوٹ کی موٹر کار، ٹوٹ بٹوٹ کیا کرے، ٹوٹ بٹوٹ کی بکری، ٹوٹ بٹوٹ نرالا ہے، ٹوٹ بٹوٹ بڑا ہشیار، ٹوٹ بٹوٹ اک افسر ہے وغیرہ سے اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کے وہ کردار ہیں جو ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے اچھے بُرے اور مثبت منفی پہلو بھی واضح ہیں۔

صوفی تبسم نے ان کرداروں کی مدد سے معاشرتی تفاوت کے تنزل کو دور کرنے اور جدا ہوتی دین سے معاشرت اور دور ہوتی اخلاقی اطوار سے دُنیاداری کو متبنہ بھی کیا ہے اور انھیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی دعوت بھی دی ہے۔ نظم ٹوٹ بٹوٹ نے کرلی شادی ملاحظہ کیجیے:

کچھ ہمجولی کچھ ہمسائے　　　کچھ اپنے کچھ لوگ پرائے
ٹوٹ بٹوٹ کو ملنے آئے　　　ٹوٹ بٹوٹ کی بولی دادی
ٹوٹ بٹوٹ نے کرلی شادی
اب نہ وہ شوخی اب نہ وہ شیخی　　　اب نہ وہ اُس کی دھینگا مُشتی
ختم ہوئی سب ہاہا ہی ہی　　　ختم ہوئی ساری آزادی
ٹوٹ بٹوٹ نے کرلی شادی
اب نہ روہ رونق ہے نہ وہ میلا　　　دن بھر گھر میں رہے اکیلا
بیول لے گئی پیسا دھیلا　　　میرے اللہ یہ بربادی
ٹوٹ بٹوٹ نے کرلی شادی(17)

یہ نظم خانگی معاملات و نزاعات کا ثقیل آئینہ ہے جس میں جھانکنے والا خوف محسوس کرتا ہے۔ شادی سے پہلے مرد کی وجاہت اور شکل و صورت کیا ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کی حالت کیسی ہوتی ہے، اس کا اندازہ کنوارپنے سے شادی شدہ ہونے کا فخر رکھنے والے بطور عبرت کرسکتے ہیں۔

صوفی تبسم نے بچوں کو ہنسانے اور دل بہلانے کے لیے یہ نظم کہی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پچاس برس گزرنے کے بعد بھی یہ نظم ٹوٹ بٹوٹ ایسے نکمے، نالائق اور روٹی توڑنے والے نا اہل خاوندوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو خود کو تیس مار خان سمجھتے ہیں اور حقیقت میں بھیگی بلی بن کر بیوی سے روزانہ پٹتے ہیں۔

صوفی تبسم نے ہماری معاشرے اور سماج کی اصل صورتحال کو ٹوٹ بٹوٹ کے توسط سے طشت ازبام کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نظمیں ہماری سماج کے آئینے پر پڑی گرد کو ہٹانے کے لیے ایک فلٹر کا کام کرتی ہیں۔

صوفی تبسم جی کی ان نظموں کو بچوں کی نظمیں کہہ کر بہت ہلکا لیا گیا ہے اور انھیں نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ صوفی تبسم کی ان منظومات کا سماجی تناظر میں تجزیہ کیا جائے اور ان کی سماجی حیثیت کو سامنے لایا جائے جس سے صوفی تبسم کی سوچ، فکر اور سماجی ارتقا کے مثبت داعیات کے رجحانات کو مہمیز کرنے اور بطور ٹرینڈ رائج کرنے میں مدد ملے گی۔ ایک نظم ٹوٹ بٹوٹ بنا افسر پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے:

اب ٹوٹ بٹوٹ کی بات نہ کر　　　اب ٹوٹ بٹوٹ اک افسر ہے
اب چھوٹوں کا تو ذکر ہی کیا ہے　　　اب بڑے بھی سہمے رہتے ہیں

اب جو وہ منہ سے بات کرے　　سب جی ہاں جی ہاں کہتے ہیں
اب ٹوٹ بٹوٹ کلرک نہیں　　اب ٹوٹ بٹوٹ اک افسر ہے
پہلے اک کمرہ دفتر تھا　　اب پورا بنگلا دفتر ہے
ہر پھاٹک پر چپراسی ہے　　ہر دروازے پر نوکر ہے
اب ٹوٹ بٹوٹ کلرک نہیں　　اب ٹوٹ بٹوٹ اک افسر ہے
پہلے وہ ننگے پاؤں تھا　　اب اس کے پاؤں میں بوٹ بھی ہے
پہلے تو صرف لنگوٹی تھی　　اب کالر ٹالی سوٹ بھی ہے
چڑھتا تھا پہلے ٹھیلے پر　　اب اُس کے نیچے موٹ ہے
اب ٹوٹ بٹوٹ اک افسر ہے(18)

یہ نظم پاکستانی سیاست کی بیوروکریسی کے اجتماعی نظام کی ماتم کُناں ہے، یہ نظم بتاتی ہے کہ شاہی اور سرکاری افسر کس طرح خود کو افسری روپے میں سامنے لاتے ہیں، اختیار اور کرسی ملتے ہی ان کا دماغ کس طرح خراب ہو جاتا ہے اور ان کے مزاج میں شاہانہ بدبو در آتی ہے اور یہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو کیڑے مکوڑے اور حقیر گردانتے ہیں۔

صوفی تبسم نے اس نظم میں پاکستانی نظام کی جملہ منافقانہ سوچ اور حصولِ اقتدار کی متحوس زدہ للچائی نفسیات کو کمال ہوشیاری سے ٹوٹ بٹوٹ کے کردار میں واضح کیا ہے، صوفی تبسم کا سماجی شعور اپنے اوج کو پہنچا تھا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ صوفی تبسم کی شاعری کی سبھی پرتوں کو پرکھنا گوارا نہیں کیا گیا۔ احمد ندیم قاسمی نے لکھا:

> ”بچوں کے لیے نظمیں لکھنے میں صوفی غلام مصطفی تبسم مرحوم نے بچوں کی نفسیات اور بچوں کی لفظیات میں جو بے پناہ مہارت دکھائی، اس کا ایک زمانہ معترف ہے، ٹوٹ بٹوٹ، ان کی نظموں کا ہی ایک کردار ہے مگر ایسا جیتا جاگتا کردار آج شائد ہی کوئی مدرسہ بلکہ کوئی بھی پڑھا لکھا گھرانا ایسا ہو جو اپنے ٹوٹ بٹوٹ سے خالی ہو۔“ (19)

صوفی تبسم کا تیسرا شعری مجموعہ جو بچوں کی نظموں کے انتخاب پر مبنی ہے، دوسری نظمیں کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اس مجموعے میں متفرق موضوعات پر دلچسپ عنوانات کے تحت نظمیں کہی گئی ہیں۔ اس مجموعے میں آؤ آؤ سیر کریں، اپنا راج، دیس ہمارا، راجا رانی کی کہانی، قائداعظم، شمیم کی بلی نظمیں مشہور و یادِ گارِ زمانہ ہیں۔ ان نظموں میں صوفی بتسم جی کی فکر اور فلسفہ اجتماعیت کے شعور میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس مجموعے میں بائیس نظمیں شامل ہیں جن میں قائداعظم پر دو نظمیں صوفی تبسم نے لکھی ہیں جو اپنے موضوع، مواد، پیش کش اور طرزِ تحریر کے اعتبار سے لائقِ داد ہیں۔ نظم قائداعظم ملاحظہ کیجیے:

تیرے خیال سے ہے دل شادماں ہمارا　　تازہ ہے جاں ہماری دل ہے جواں ہمارا
تیری ہی ہمتوں سے آزاد ہم ہوئے ہیں　　خوشیاں ملی ہیں ہم کو دل شاد ہم ہوئے ہیں
ہم سو رہے تھے تُو نے آکر ہمیں جگایا　　پھرتے ہم بھٹکتے رستہ ہمیں دکھایا

تو رہنما ہمارا، تو ساربان ہمارا(20)

اس نظم میں صوفی تبسم جی نے دل کھول کر قائداعظم کی تعریف کی ہے اور ان کی وطن کی آزادی کے لیے کی گئی محنت اور کوشش کو سنہرے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ یہ نظم صوفی تبسم کی قائداعظم سے محبت اور موانست کا اظہار کرتی ہے۔ اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفی تبسم ایک محب وطن انسان تھے جنھوں نے خون کا دریا عبور کر کے ہجرت کی مسافر اور تکالیف کو جھیلا تھا، انھیں اس تکلیف سے کیسے نجات مل سکتی ہے۔

صوفی تبسم نے دوسری نظم میں بھی قاید اعظم کی شخصیت، کردار، اطوار اور جملہ شخصی زاویے کو خوبصورت الفاظ میں نظم کا حصہ بنایا ہے۔ بطور نمونہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

دیس کی آن قائداعظم　　　دیس کی شان قائداعظم
ہم کبھی بھی بھلا نہیں سکتے　　　دیس کی جان قائداعظم
تیری سب نیکیاں ہیں یاد ہمیں　　　تیرا ہر ایک کام زندہ ہے
یاد کرتے ہیں ہم تجھے ہر وقت　　　مر کے بھی تیرا نام زندہ ہے
حق نے دُنیا میں تجھ کو بخشی ہے　　　کیا عجب شان قائدِاعظم(21)

صوفی غلام مصطفی کی منظومات میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ صوفی تبسم کے مخصوص لب و لہجے کا غماز ہیں۔ صوفی تبسم ہفت زبان تھے، انھیں اردو، فارسی، عربی، پنجابی، ہندی، مراٹھی اور دیگر کئی زبانوں پر عبور تھا۔ ان کا تحقیقی، تنقیدی اور تالیفی کام دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ صاحب تحقیق و تنقید میں مشکل اور گنجلک الفاظ و اصطلاحات استعمال کرتے ہیں اور یہی صاحب بچوں کے لیے جب کچھ لکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سادہ، عام اور سیدھے سادھے الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور ان کے پاس ان الفاظ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ وصف صوفی تبسم کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھا کہ سینے میں سمندر ایسی علمیت چھپائے ہوئے تھے اور بظاہر سادگی کا لبادہ اُوڑھے کسی کو بھنک بھی نہیں پڑنے دیتے تھے کہ ان کے ظاہر سے باطن کی آگاہی کا شائبہ ٹٹولا جا سکے۔

صوفی تبسم جی نے فطرت کی منظر کشی بھی کی ہے، انھوں نے تارے، سانپ کی دُم، کھیرا، بندر بندریا، بادل، تو زمین آسمان کا مالک، رات دن، آہاہاہا چاند نکلا، موسم بہار، بادلوں سے وغیرہ نظمیں لکھ کر یہ واضح کیا ہے کہ انھیں فطرت سے اور فطرت میں سانس لینے والی مخلوقات سے بہت محبت اور موانست سے ہے۔

انسان جوان ہو جائے تو اسے دُنیاداری کے حصول کی فکر پڑ جاتی ہے اور وہ فطرت کو بھول جاتا ہے۔ جیسے جیسے اس کے اندر کی معصومیت ختم ہوتی ہے ویسے ویسے فطرت سے اس کی دلچسپی اُٹھتی جاتی ہے اور معصومیت کا یہ پیکر دُنیا کی کثافتوں سے وجود کو گدلا کر لیتا ہے اور فطرت بھی اس سے منہ موڑ لیتی ہے۔ صوفی تبسم نے بچوں کی معصومیت کو فطرت سے ہم آہنگ کرنے میں اپنا ہنرِ کُل صرف کر ڈالا ہے۔ نظم تارے ملاحظہ کیجیے:

رات آئی اور جاگے تارے
ننھے مُنے چھوٹے چھوٹے   گول مٹول اور موٹے موٹے
دیکھو کیسے چمک رہے ہیں   گویا موتی دمک رہے ہیں
کتنے اچھے کتنے پیارے   رات آئی اور جاگے تارے
چار نہیں ہیں، آٹھ نہیں ہیں   بیس نہیں ہیں، ساٹھ نہیں ہیں
لاکھوں ہیں یہ دوست ہمارے   رات آئی اور جاگے تارے(22)

صوفی تبسم نے تاروں کو دوست قرار دیا ہے اور یہ دوستی در حقیقت انسان کو فطرت سے ہم آہنگ کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بڑھی بوڑھیاں تاروں کی چال دیکھ کر وقت معلوم کر لیتی تھیں، مسافر اپنی منزل کا تعین کرتے تھے اور کسان رفتار دیکھ کر بارش اور آندھی کا اندازہ لگا لیتے تھے۔ اب وہ لوگ اور وہ زمانہ ہی کہیں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے، اب ہر چیز کا پلے سٹور پر ایپ موجود ہے۔ ایک موبایل نے دنیا کا بیڑا غرق کر دیا ہے، ہر چیز موبائل پر دستیاب ہے، فطرت سے اب لیا لینا ہے، مصنوعی پودے دفتروں میں آویزاں ہیں۔ ستم یہ کہ مصنوعی پرندے بھی اب جگہ جگہ پھدکتے دکھائی دیتے ہیں۔

صوفی تبسم جی نے پہیلیوں کی روایت کو زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پہیلی کے سلسلے میں پہلے بات ہو چکی ہے تاہم اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ پہیلی ایک ایسا سوچنے اور ذہن پر بوجھ ڈال کر جواب ڈھونڈنے کا عمل ہے جس سے انسانی یاداشت اور حافظہ کو مہمیز ملتی ہے اور ذہن کو جلا ملتی ہے۔

جب تک بچے بزرگوں کے ہاتھ میں رہے، ان کی روایتی تربیت کا سامان ہوتا رہا، اب بچے ڈورے مون اور ٹیبلٹ کے حوالے کر دیئے گئے ہیں، ماؤں کے پاس خانگی جھگڑوں کے سوا اور کوئی مصروفیت نہیں ہے، بچہ پیدا ہونے سے پہلے سکول میں پھینک دیا جاتا ہے، اس صورتحال میں فطرت سے دلچسپی، دن اور رات کے بدل کا نظارہ، بارش کا موسم، پرندوں کی چہچہاہٹ اور سبزے کی لہلہاہٹ کو دیکھنے اور سراہنے کا کس کو خیال ہے۔ صوفی تبسم کی پہیلیاں بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

دُبلی پتلی سی اک رانی   اُوپر آگ اور نیچے پانی
منہ چُومو تو شور مچائے   بات کرو تو چُپ ہو جائے(23)

میری پہیلی بُوجھو گے تُم   ایک انچ چڑیا، دو گز کی دُم(24)
دُنیا میں اک چیز ہے نرالی   سر سے پاؤں تک سب کالی
جو کوئی اُس کو ہاتھ لگائے   ویسا ہی کالا ہو جائے(25)

مجھے یاد ہے، بچپن میں ہم بہن بھائی ہمسائے میں چچا کے ہاں ٹی وی پر ڈراما دیکھنے جایا کرتے تھے، چچا کے گھر میں ایک بوڑھی اماں تھی وہ ہم سے پہیلیاں بجھوایا کرتی تھی۔ میں تو خیر اس معاملے میں نکما اور کُند ذہن تھا، میری بہنیں اور گلی کی ہمجولیاں خوب

بوجھتی تھیں۔ اکثر یہ پہلیاں پرانی اور بوجھی ہوئی ہوتی تھیں، کسی دن نئ پہیلی سننے کو ملتی تو گھر اور دوستوں میں اس کا ذکر رہتا اور پوچھ پوچھ کر اسے بھی پرانا کر دیتے تھے۔ اب پہیلیاں گھڑنے والے بھی رخصت ہو گئے اور بوجھنے والے بھی اُکتا گئے۔

صوفی تبسم کا بچوں کے لیے ترتیب دیا ہوا آخری شعری مجموعہ ٹال مٹول ہے جس میں انھوں نے چوبیس نظموں کو شامل کیا ہے۔ پہلی نظم دُعا ہے اور آخری نظم بچو، میرے بچو ہے۔ اس مجموعے میں ایک نظم قائداعظم اور اقبال پر بھی ہے، اس کے علاوہ مرغا اور چوہا، موسمِ بہار، آؤ مل کر کام کریں، ٹوٹ بٹوٹ کی دانائی، یہ نشاں، یہ ہمارے وطن کا نشاں، پیارا دیس ہمارا مشہور نظمیں ہیں۔ اس مجموعے میں صوفی تبسم نے مختلف رسالوں میں شایع ہونے والی نظموں کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ مجموعہ بچوں کے لیے ایک خاص امتیازی شناخت رکھتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے اس مجموعے کے سروق پر لکھا ہے:

> ”صوفی تبسم نے پیرانہ سالی میں بھی بچوں کو فراموش نہیں کیا اور ان کے لیے خوب صورت نظمیں لکھنے کا کام جاری رکھا۔ یہ نظمیں رنگارنگ موضوعات پر ہیں مگر خاص طور پر آخری نظم بچو، میرے بچو، ایک ایسی پیاری نظم ہے کہ بچوں کے علاوہ بڑے بھی پڑھیں گے تو محسوس کریں گے کہ بچوں سے صوفی تبسم کی محبت اور شفقت ان کے نزدیک عشق و عبارت کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔“ (26)

صوفی تبسم کے شعری مجموعے ٹال مٹول میں پہلی نظم دُعا ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ صوفی تبسم ملک اور وطن اور دین کی سلامتی کے لیے بچوں کے ذہن میں تعمیری سوچ کو پروان چڑھانے میں نظم کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں، یہ وصف ان کی شخصیت اور حب الوطنی کا ناقابلِ فراموش عنصر ہے۔ نظم ملاحظہ کیجیے:

اے خدا، اے خدا، اے خدا   تو ہمیشہ سے ہے تو رہے گا سدا
تیرے جیسا نہیں ہے کوئی دوسرا   اے خدا، اے خدا، اے خدا، اے خدا
بے کسوں، غم زدوں کا سہارا ہے تو   ڈوبتی کشتیوں کا کنارا ہے تو
بے سہاروں کا ہے اک تو ہی آسرا   اے خدا، اے خدا، اے خدا، اے خدا(27)

رب تعالیٰ کی وحدانیت اور ایکائی کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ ہر جگہ موجود ہے اور اُس کی موجودگی کے آثار اس قدر عریاں، فراواں اور فروزاں ہیں کہ سر اور دل کی آنکھ سے براہ راست وحدانیت کے مظاہر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک بچہ جسے کھانے پینے اور پہننے سے غرض ہے، اسے یہ بتانا کہ دُنیا کو بنانے والا تیری ماں سے زیادہ تجھ سے محبت کرتا ہے، وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز میں اُس کا جلوہ برابر دکھائی دیتا ہے۔ صوفی تبسم کی نظموں میں وحدانیت کے اس اُجلے تصور کو داد کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔

صوفی تبسم نے پیارا دیس ہمارا نظم لکھ کر بچوں کی وطن سے محبت اور تصورِ وطنیت کو واضح کیا ہے۔ ایک شاعر حساس ذہن و قلب رکھتا ہے، اسے اپنے وطن کی مٹی اور بوباس سے گہری شناسائی ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس مٹی سے جنم لینے والا اور اس کی فضا

میں سانس لینے والا اس کی ترقی، خوشحالی اور درست سمت پر گامزن رہنے میں اپنا حصہ ڈالے۔ صوفی تبسم نے انھیں احساسات کو نظم پیارا دیس ہمارا میں بیان کیا ہے۔ نظم کے دو بند ملاحظہ کیجیے:

پیارا دیس ہمارا   پیارا دیس ہمارا
ہر ایک شے کی شان نرالی   شان نرالی، آن نرالی
گوشہ گوشہ ایک چمن ہے   ذرہ ذرہ ایک ستارا
پیارا دیس ہمارا   پیارا دیس ہمارا
اس کی عزت اپنی عزت   اس کی طاقت اپنی طاقت
اس کی خوشی میں اپنی خوشی ہے   اس کے نام سے نام ہمارا
پیارا دیس ہمارا   پیارا دیس ہمارا(28)

صوفی تبسم نے وطن سے محبت، زبان اور روایات سے محبت اور بزرگوں اور اساتذہ سے محبت کا درس بھی بچوں کو سکھایا ہے۔ صوفی تبسم کے شاعرانہ اُسلوب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے موسیقی اور ترنم کے آہنگ کو نظموں کا حصہ بنایا ہے۔ ان نظموں کو پڑھنے سے زیادہ گنگنانے کو جی چاہتا ہے، یہ نظمیں دل سے لکھی گئی ہیں اور دل میں ہمیشہ رہ جانے والی ہیں۔

صوفی تبسم نے شاعرانہ اُسلوب کے جملہ عناصر و لوازم کو سہل، آسان، رواں اور برجستہ انداز میں مصرعوں کو موزوں کرنے میں استعمال کیا ہے جس سے نظم کی ساخت، معیار، چہرہ مہرہ اور قد و قامت میں ایک دلکشی اور رعنائی پیدا ہو گئی ہے۔

علامہ اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں، علامہ اقبال نے بچوں کے لیے بہت نظمیں لکھیں، بانگِ درا کا ایک تہائی حصہ بچوں کی نظموں پر مشتمل ہے۔ علامہ اقبال، اسماعیل میرٹھی اور صوفی تبسم کی نظموں کو سب سے زیادہ پڑھا، سنا اور گایا گیا ہے۔ یہ نظمیں سکولز میں صبح کے اوقات میں اسمبلی کے دوران باقاعدہ پڑھی جاتی ہیں، یہ نظمیں بچوں کی تربیت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ صوفی تبسم جی نے علامہ اقبال کے کام اور شخصیت کو بطور تعارف دلنشیں انداز میں بچوں کے سامنے رکھا ہے۔ نظم اقبال ملاحظہ کیجیے:

سب سے پہلے جس کی زباں پر پاکستان کا نام آیا
اپنے دیس کا اک شاعر تھا، اپنے دیس کے کام آیا
اُس نے بتایا آزادی میں کتنی عزت ہوتی ہے
ایسے دیس میں جو بستے ہیں سب کی عزت ہوتی ہے
وہ آیا تو قوم کو گویا عظمت کا پیغام آیا
اپنے دیس کا اک شاعر تھا اپنے دیس کے کام آیا(29)

آزادی کا تصور دینے اور آزادی کی اہمیت کو غلام قوم پر واضح کرنے میں علامہ اقبال کا کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ صوفی تبسم نے اپنی نظموں کے موضوعات فطرت، معاشرت، تہذیب، تمدن، رہن سہن اور جملہ بود و باش کے مظاہرات سے لیے ہیں۔

ان کی نظموں میں زندگی چلتی پھرتی مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی نظموں کو عمر کے کسی بھی حصے میں پڑھا جائے تو بچپنے کا احساس متشکل ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔

صوفی تبسم جی کی نظم ٹول مٹول ملاحظہ کیجیے جسے بچے گلی محلے میں گایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو گول مول گول مول کہہ کر پکارا کرتے تھے، یہ نظم بچوں کی ذہنی کیفیت اور اشغالِ صغیری کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے:

لے لو بچو ٹول مٹول   لے لو بچو ٹول مٹول
خوانچے والا:
ٹول مٹول مری ان مول   آدھی لمبی، آدھی گول
لے لو بچو ٹول مٹول

بچہ:
تیری ٹول مٹول ہے کیسی   ہم نہیں لیں گے ایسی ویسی
پہلے اپنا خوانچہ کھول

خوانچے والا:
ٹول مٹول دکھاؤں کیسے   تیرے ہیں کتنے پیسے
پیسوں والی مٹھی کھول   لے لو بچو ٹول مٹول(30)

یہ نظم جہاں بچوں کے دل کو لبھاتی ہے وہیں ظاہر و باطن کے تضاد کو بھی واضح کرتی ہے، سودا سُلف دیکھ پرکھ کر لینا چاہیے اور لینے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے تاکہ بعد میں نقصان کا پچھتاوا نہ ہو، بچوں کے پاس پیسے بہت کم ہوتے ہیں اور وہ ہر چیز کو انھیں چونی دونی اور اٹھنی سے خریدنا چاہتے ہیں جبکہ خوانچے والا بغیر دکھائے دُھوکے سے کچھ دینا چاہتا ہے۔

یہ نظم ملکی حالات کی سیاسی اور سماجی تنزل کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے، صوفی تبسم جی نے بچوں کے لیے لکھا، مجھے یوں لگتا ہے انھوں نے اپنے زمانے کے حکمرانوں کو بچہ بنا ڈالا ہے۔ علاوہ ازیں نظم ٹوٹ بٹوٹ کی دانائی بھی توجہ طلب نظم ہے۔ یہ نظم پڑھ کر معلوم ہوتا ہے صوفی تبسم جی جو بات خود اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتے تھے وہ انھوں نے ٹوٹ بٹوٹ سے کہلوائی ہے، نظم ٹوٹ بٹوٹ کی دانائی ملاحظہ کے منتخب بند ملاحظہ کیجیے:

ٹوٹ بٹوٹ بڑا دانا ہے   ٹوٹ بٹوٹ کی بات سنو
ٹوٹ بٹوٹ کی اک مرغی ہے   اس مرغی کے چوزے دو
ان دو چوزوں کا کیا کہنا
اچھی اچھی چیزیں کھانا   چوں چوں کرنا اور خوش رہنا
اِدھر کو آئیں اُدھر کو جائیں   اُچھلیں، کودیں، ناچیں، گائیں

بڑے ہی اچھے چوزے ہیں   یہ چوزے کیا ہیں مرغے ہیں یہ (31)

صوفی تبسم جی کی سبھی نظمیں اس قدر عمدہ، دلآویز اور دلچسپ ہیں کہ فرداً فرداً ان کی تفہیم مختلف زاویوں سے کی جاسکتی ہے۔ صوفی تبسم نے اڑھائی سو کے قریب بچوں کے لیے نظمیں کہی ہیں، ان نظموں کا اُسلوب، ہیت، مزاج، پیش کش اور مجموعی تاثر بچوں کی نفسیات اور طبعی رجحان کا عکاس ہے۔

صوفی تبسم کی کلیات میں آخری نظم بچو، میرے بچو ہے، یہ نظم ان کی منظومات کا ماحصل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نظم کی تعریف اور تحسین احمد ندیم قاسمی نے بھی کی ہے۔ ان کی رائے ملاحظہ کیجیے:

> ”صوفی تبسم مرحوم کی بچوں سے محبت اور شفقت ان کے نزدیک عشق و عبارت کا درجہ اختیار کر گئی تھی۔ خاص طور سے آخری نظم بچو، میرے بچو، ایک ایسی پیاری نظم ہے کہ بچوں کے علاوہ بڑھے بھی پڑھیں تو محسوس کریں گے کہ یہ نظم الوداعی نظم ہے جو صوفی تبسم نے بچوں کے لیے دل سے لکھی تھی۔“ (32)

بچو، میرے پیارے بچو، نظم کا آہنگ بتاتا ہے کہ اس نظم کو دل سے لکھا گیا ہے اور اس نظم میں وہ سارے احساسات موجود ہیں جو گھر کے رکھوالے اور نگہبان کے ذہن و قلب میں اپنے باغ کے نونہالوں کے لیے موجود ہوتے ہیں، اس نظم میں بچوں کو باہمی محبت، پیار، اتحاد اور یگانت کا درس دیا گیا ہے، نظم ملاحظہ کیجیے:

آؤ بچو!
میرے بچو میرے پیارو آؤ   اپنی اپنی خوشیوں میں مجھے بھی ساتھ ملاؤ
آؤ
آؤ بچو! آؤ
کتنے خوش رنگ حسیں خواب دکھائے ہیں تمہیں   چاند تاروں کے سفر میں نے کرائے ہیں تمہیں
تم مجھ کو وہی خواب دکھاؤ
آو
آؤ بچو! آؤ
یاد ہے کتنی تمہیں لوریاں میں نے دی ہیں   گود میں لے کے تمہیں پیار کی باتیں کی ہیں
گود میں اپنی مجھے بٹھاؤ
آؤ
آؤ بچو! آؤ
آج دُھندلا گئے وہ خواب سہانے بچو!   بھولتے جاتے ہیں وہ سارے فسانے بچوً
وہی فسانے مجھے سناؤ

آؤ
بچپن کی کوئی یاد دلاؤ
آؤ
آؤ بچو!
میرے بچو!
میرے پیارو آؤ!(33)

اس نظم میں صوفی تبسم نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، بے ثباتی اس جہان کی ہر شخص پر غالب آ کر رہی ہے۔ دُنیا میں کوئی بھی تا دیر نہ رہا، موت آتی ہے اور سب کو لے جاتی ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے والا معاملہ ہے اور آج اُس کی باری ہے اور کل میری باری بھی آنی ہے۔ صوفی تبسم جی اب ہمارے درمیان نہیں لیکن اُن کی نظمیں، گیت، پہیلیاں ہمارے بچوں کے لیے موجود ہیں، صوفی تبسم جی نے جو شمع جلائی تھی اُس کی لو سے آج بھی روشنی چہار سُو پھیلی ہوئی ہے۔

اس مقالہ میں صوفی تبسم جی کی بچوں کے لیے لکھی منظومات کا تجزیاتی جائزہ لیا گیا، اس تجزیے سے جو تاثر قائم ہوا ہے وہ یہ کہ صوفی تبسم نے اسماعیل میرٹھی کی روایت کو بڑھاوا دیا ہے۔ علامہ اقبال سے ہوتے ہوئے صوفی تبسم پر ادبِ اطفال کی شمع پہنچی تو انھوں نے اس کی روشنی میں ایسے رنگین و رعنائی سے معمور نظمیں ہمارے بچوں کے لیے خلق کی جن سے ہمارے بچے شعور اور ادراک کی روشنی اور حسنِ جمال صغر سنی کی چاشنی کا مزہ لیتے ہیں۔ صوفی تبسم کی نظمیں اردو ادب میں ادبِ اطفال کا ایک روشن مینارہ ہے جسے کبھی زوال نہیں ہو گا۔

حوالہ جات

1. صوفی تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، ترتیب و تدوین، صوفی گلزار احمد، یاور جواز ماجد، صوفی (لاہور: صوفی تبسم اکیڈمی، 2 دسمبر، 1989)، 253۔
2. صوفی تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، (لاہور: صوفی تبسم اکیڈمی، 2 دسمبر، 1989)، 253۔
3. صوفی تبسم، کلیاتِ صوفی تبسم، 16۔
4. ایضاً، 22۔
5. ایضاً، 23۔

6. ایضاً، 26۔
7. ایضاً، 31۔
8. ایضاً، 44۔
9. ایضاً، 48۔
10. ایضاً، 18۔
11. ایضاً، 53۔
12. ایضاً، 58۔
13. ایضاً، 59۔
14. ایضاً، 252۔
15. ایضاً، 64۔
16. ایضاً، 79۔
17. ایضاً، 105۔
18. ایضاً، 138۔
19. ایضاً، 260۔
20. ایضاً، 165۔
21. ایضاً، 167۔
22. ایضاً، 177۔
23. ایضاً، 198۔
24. ایضاً، 200۔
25. ایضاً، 201۔
26. ایضاً، 260۔
27. ایضاً، 207۔
28. ایضاً، 210۔
29. ایضاً، 214۔
30. ایضاً، 229۔
31. ایضاً، 226۔

32. ایضاً، 260۔

33. ایضاً، 248۔

References in Roman Script

1. Sufi Tabassum, kuliyat sufi Tabassum, tarteeb o tadween, sufi gulzaar Ahmed , yawar juwaz Majid , sufi (Lahore : Sufi Tabassum academy, 2 decemeber, 1989),253.
2. Sufi Tabassum, kuliyat Sufi Tabassum, (Lahore : sufi tabassum academy, 2 decemeber, 1989), 253.
3. Sufi Tabassum, kuliyat Sufi Tabassum, 16.
4. Ibid, 22.
5. Ibid, 23.
6. Ibid, 26.
7. Ibid, 31.
8. Ibid, 44.
9. Ibid, 48.
10. Ibid, 18.
11. Ibid, 53
12. Ibid, 58.
13. Ibid, 59.
14. Ibid, 252.
15. Ibid, 64.
16. Ibid, 79.
17. Ibid, 105.
18. Ibid, 138.
19. Ibid, 260.
20. Ibid, 165.
21. Ibid, 167.
22. Ibid, 177.
23. Ibid, 198.
24. Ibid, 200.
25. Ibid, 201.
26. Ibid, 260.

27.Ibid, 207.
28.Ibid, 210.
29.Ibid, 214.
30.Ibid, 229.
31.Ibid, 226.
32.Ibid, 260.
33.Ibid, 248.
34.Ibid, 254.